’’ہم صرف قرآن اور سنت کی پیروی کرتے ہیں‘‘

تحریر: محمد حق

3 مارچ، 2015

مسجد کے بورڈ میٹنگ میں بیٹھے ہوئے، جب ایک کے بعد ایک مسئلہ سامنے آ رہا تھا، تو سچ کہوں تو میرا دھیان کہیں اوربھٹک رہا تھا۔ تاہم ایک مسئلہ ایسا آیا جس نے فوراً میری توجہ اپنی طرف کھینچ لی — اور وہ تھا مالیات اور فنڈ جمع کرنے کا مسئلہ: مسجد کو وضو خانے کی مرمت کے لیے فنڈ کی ضرورت تھی۔ کوئی خاص پیش رفت نہ ہونے پر میں نے ایک ممکنہ ذریعہ تجویز کیا، تاہم یہ اپنے ساتھ مسائل بھی لیے ہوا تھا۔ یہ فنڈ کا ذریعہ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ ناجائز ذرائع سے حاصل کرتا تھا، لیکن فقہ میں ایک رائے موجود ہے جو اس قسم کے فنڈ کو عوامی بھلائی (مصلحتِ عامہ) کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

اس پر کچھ لوگوں نے مناسب اعتراض بھی کیا، لیکن جیسے ہی میں نے یہ وضاحت شروع کی کہ اس پر ایک علمی رائے موجود ہے — ایک ساتھی ممبر نے زور سے کہا: "علما کو بھول جاؤ!! ہم صرف قرآن اور سنت کی پیروی کرتے ہیں۔"

یہ ردعمل میرے لیے غیر متوقع تھا کیونکہ یہ بھائی عام طور پر پُرسکون طبیعت کے حامل تھے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ مسلمانوں کو صرف قرآن و سنت کی پیروی کرنی چاہیے اور علما کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

بدقسمتی (یا شاید خوش قسمتی سے) وہ مجھ سے بڑے تھے، عہدے میں بھی سینئر تھے، اور سب سے بڑھ کر، ان کی آواز مجھ سے زیادہ بلند تھی۔ اس لیے "جس کی لاٹھی، اس کی بھینس" والا محاورہ پورا صادق آ گیا۔ میں نے سر جھکا لیا؛ حالانکہ بعد میں میری تجویز قبول کر لی گئی، مگر میں اس بات پر تھوڑا مایوس ہوا کہ اس بھائی نے اسلام کو کس سطحی انداز میں سمجھا ہے۔ وہ اچھے اخلاق کے مالک اور عام طور پر خوش مزاج تھے، لیکن فقہ کے معاملے میں وہ بھی اس تنگ نظری سے بچ نہ سکے ہیں۔

یہ مضمون مختصراً اس دعوے کا جائزہ لینے کے لیے ہے جو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ’’قرآن اور سنت کے علاوہ کسی کی پیروی نہیں کرتے‘‘ یا پھر صرف ’’قرآن اور صحیح حدیث‘‘ پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

ان اقوال سے مراد کیا ہے؟

بظاہر جب کوئی یہ جملہ استعمال کرتا ہے تو گویا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جو شخص اس کے گروہ یا اس کی سمجھ سے متفق نہیں ہے، وہ دراصل قرآن و سنت کی پیروی نہیں کر رہا۔

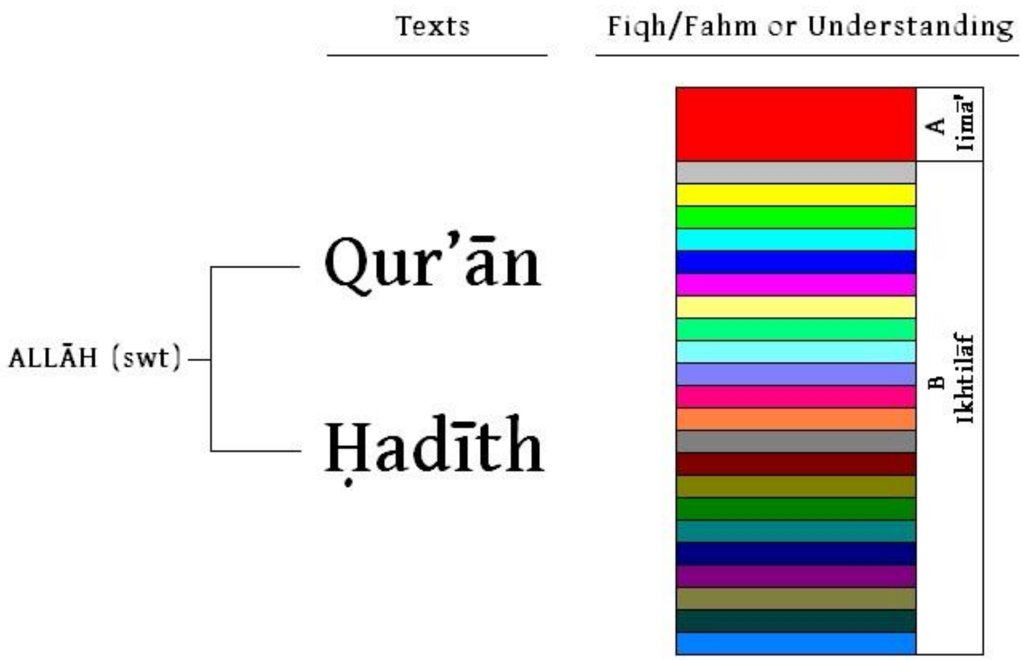
جب کوئی شخص آپ کے اختیار کردہ ایک جائز فقہی رائے کو سامنے رکھ کر کہے کہ "مگر پھر بھی آپ کو قرآن و سنت کی پیروی کرنی چاہیے"، تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ گویا آپ نہیں کر رہے ہیں۔ اس رویے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حق صرف اس کے گروہ کی میراث ہے اور باقی سب لوگ گمراہ ہیں۔

یہ طرزِ فکر اس بات کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ ایسے شخص کو اس عمل کا ادراک نہیں کہ بنیادی ماخذ — یعنی قرآن اور حدیث — کو کس طرح سمجھا جاتا ہے اور کس طریقے سے ان سے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

علما کس طرح غور و فکر کرتے ہیں (فہم کا معاملہ)

پہلے زیر نظر تصویر دیکھیے:

<u>**شکل نمبر 1**</u>



اسلام میں بنیادی ماخذ قرآن اور حدیث ہیں، دونوں اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔
قرآن براہِ راست اللہ کے الفاظ پر مشتمل ہے، جبکہ حدیث کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہیں، لیکن مفہوم اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ الفاظ پھر متن کی شکل میں محفوظ کیے گئے، اس طرح دونوں بنیادی ماخذ ''متن'' ہیں۔ ان متون کو علما/فقہا/مفسرین سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ یہ جان سکیں کہ اللہ کا منشا کیا ہے۔ اس عمل کا نتیجہ'' فقہ ''کہلاتا ہے۔

کسی مسئلے کا صرف ایک ہی فہم

کچھ مسائل (جیسے اجماعی) ایسے ہوتے ہیں جن میں صرف ایک ہی فہم پایا جاتا ہے، یعنی ایک ہی فقہی رائے۔ اس کا مطلب ہے کہ تمام فقہا اس بات پر متفق اور یقین رکھتے ہیں کہ ان کا فہم درحقیقت وہی ہے جو اللہ کا منشا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ:

- بنیادی ماخذ اپنی سند اور مفہوم دونوں اعتبار سے بالکل واضح اور قطعی ہوں۔ مثال: توحید، آخرت پر ایمان، پانچ وقت کی نماز فرض ہونا۔
- یا پھر بنیادی ماخذ اپنی سند یا مفہوم میں غیر قطعی ہوں، لیکن اس کے باوجود ایک واضح، معتبر اور حقیقی اجماع قائم ہو گیا ہو۔

ایسے مسائل میں سب لوگ ’’قرآن و سنت‘‘ کی ہی پیروی کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے بار بار ’’صرف قرآن و سنت‘‘ کا نعرہ لگانا بے معنی ہو جاتا ہے۔

متعدد فہم

زیادہ تر مسائل میں علما کے درمیان کئی طرح کے فہم پائے جاتے ہیں، اور یہ سب قرآن و حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کی وجوہات میں شامل ہیں:

- نص پر اتفاق لیکن فہم میں فرق ہو، جیسا کہ بنو قریظہ کے سفر کے دوران عصر کی نماز کے واقعے میں ہوا۔
- ماخذ پر ہی اختلاف ہو، جیسے سند پر اختلاف، نسخ ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف، یا متعلق ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف۔

ظنی فہم – پھر بھی تنقید نہیں

بعض اوقات فقہا کو سو فیصد یقین نہیں ہوتا کہ جو کچھ انھوں نے سمجھا یا جو حکم انہوں نے اخذ کیا ہے، وہ واقعی وہی ہے جو اللہ کا منشا ہے۔ اب اس میں تین صورتیں سامنے آتی ہیں:

1) ان کا فہم ٹھوس تعبیرات (اجتہاد) پر مبنی ہو۔
2) بنیادی ماخذ بالکل واضح نہ ہوں، یعنی اللہ تعالی نے اپنی منشا کو خود کھول کر بیان نہ کیا ہو۔
3) نبی اکرمﷺ کی رحلت سے وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اس لیے اللہ تعالی کی منشا براہِ راست جاننے کا کوئی براہ راست ذریعہ نہ ہو ماسوائے بنیادی ماخذ کی طرف رجوع کرنے کے۔

لہٰذا کوئی شخص کسی دوسرے کو ایک مختلف رائے رکھنے پر ملامت نہیں کر سکتا۔ جیسے اکابرین اور فقہائے امت کے اقوال ہیں، **"اختلافی معاملات میں ملامت نہیں کی جاتی" اور "ایک اجتہاد کو دوسرے اجتہاد سے کالعدم نہیں کیا جا سکتا"۔**

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اختلافات ہمیشہ رہیں گے، اور ’’صحیح حدیث‘‘ پر جتنا بھی اصرار کیا جائے، ان اختلافات کو ختم کر کے ایک رائے پر جمع نہیں کیا جا سکتا۔

کیا ایسے معاملات میں قطعی یقین ممکن ہے؟

نہیں۔ ایسے مسائل میں، جن کے بنیادی ماخذ بالکل واضح اور قطعی نہ ہوں، انسان صرف اسی وقت مکمل یقین حاصل کر سکتا ہے کہ وہ درست ہے، جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست رہنمائی ملے۔ اس رہنمائی کو **وحی** کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ہی مثال دیکھیے کہ جب آپ ﷺ نے اجتہاد کرتے ہوئے جنگِ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کا فیصلہ فرمایا تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی رائے سے اتفاق کیا، جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمرؓ کی رائے کو درست قرار دیا اور قرآن (الأنفال: 67-68) میں نہایت سخت الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو تنبیہ کی، جس پر آپ ﷺ اور سیدنا ابو بکرؓ دونوں رو پڑے۔

اب جبکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود نہیں، اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، تو اللہ کی طرف سے اس طرح کی براہِ راست رہنمائی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس لیے کوئی بھی شخص یقینی درجے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ قطعی نصوص کے خلاف جائے گا جو نبی اکرم ﷺ کے بعد وحی کے ختم ہونے کو بیان کرتی ہیں، اور اس طرح کا دعویٰ کفر کے مترادف ہو گا جو ایمان کو باطل کر دیتا ہے۔

غور طلب نکات

کچھ ایسے اہم نکات ہیں جنہیں ذہن میں رکھنا ضروری ہے تاکہ ’’صرف قرآن و سنت‘‘ والی سادہ فہمی (فکر) سے بچا جا سکے:

1) **حد سے بڑھی ہوئی سادہ فہمی**

اگر اب تک بیان کی گئی تمام باتیں سمجھ آ جائیں تو یہ بات آسانی سے دیکھی جا سکتی ہے کہ ’’صرف قرآن اور صحیح حدیث‘‘ کا نعرہ بار بار لگانا کس قدر بے فائدہ ہے، خاص طور پر اختلافِ رائے کے معاملات میں — اور اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ یہ اختلافات شروع میں پیدا کیوں ہوئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ

جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، اس قسم کے اختلافات شاذ و نادر ہی اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ علما نے اپنی رائے خواہشِ نفس پر مبنی بنائی ہو یا محض من مانی طور پر فیصلے کیے ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو ''صحیح حدیث'' کا نعرہ لگانا سمجھ میں آتا، کیونکہ آدمی یہ سوچتا کہ ''اگر انہیں یہ حدیث معلوم ہو جائے تو تمام اختلافات ختم ہو جائیں گے''۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے، اس لیے یہ کہنا کہ قرآن اور ''صحیح'' حدیث پر عمل کر کے تمام اختلافات ختم ہو جائیں گے، ایک لاحاصل بحث ہے۔

نتیجتاً، جب بھی کوئی شخص ایسی رائے پر عمل کرتا ہے جس میں قرآن اور حدیث بالکل واضح نہیں ہیں، تو وہ لازماً کسی کے فہم کی پیروی کر رہا ہوتا ہے۔ یہ شخص عالم بھی ہو سکتا ہے اور غیر عالم بھی۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی کھلے عام اعتراف کرتے ہیں کہ وہ بنیادی ماخذات کے کئی فہم میں سے ایک فہم کی پیروی کر رہے ہیں۔ البتہ وہ شخص جو مذکورہ فقہی مکاتبِ فکر میں سے کسی کا پابند نہ ہو، اور نہ ہی کسی اور عالم یا فقیہ کی پیروی کا اعتراف کرے، بلکہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ براہِ راست اور آزادانہ طور پر قرآن و سنت کی پیروی کرتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے: **وہ دراصل کس کے فہم کی پیروی کر رہا ہے؟**

2) **قطعی یقین کا دعوی**

مزید یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص — چاہے وہ عالم ہو یا غیر عالم — یہ تاثر دے کہ کسی **ظنی** (غیر قطعی) معاملے میں اس کی رائے ہی کسی معروضی معیار کے تحت واحد درست رائے ہے، اور یہ کہ وہ کسی طرح ''فہم'' کے مرحلے (جیسا کہ شکل نمبر 1 میں بیان کیا گیا ہے) کو چھوڑ کر براہِ راست قرآن و حدیث تک پہنچ گیا ہے، تو ہمیں اس شخص کے طریقۂ کار کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے، کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں۔ اس کی رائے بھی دیگر آرا میں سے محض ایک رائے ہے (جیسا کہ شکل نمبر 1 میں مختلف رنگوں سے ظاہر کیا گیا ہے)۔ کوئی شخص تاریخ یا انسانی تشریح کے قدرتی عمل کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہر متن تک رسائی اور ہر حکم کا اخذ ہونا ایک انسانی واسطے کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی نبی نہ ہو تو وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسے ''بس علم ہو

گیا‘‘۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس فہم کی بنیاد پر یہ رائے قائم کی گئی ہے، اس کے پیچھے لازماً ایک طریقۂ کار (methodology) موجود ہے۔ یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ وہ طریقہ کار کیا ہے، تاکہ ہم اس رائے کی منطق اور دلائل کو پرکھ سکیں۔ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ یہ شخص اس انسانی پہلو ہی کا انکار کر رہا ہے، تو پھر دو امکانات ہیں:

- یا تو وہ خود اپنے طریقۂ کار سے ناواقف ہے اور کسی طرح یہ سمجھتا ہے کہ وہ حقیقتاً متون تک ’’براہِ راست‘‘ پہنچ رہا ہے، بالکل ایسے جیسے انبیاء علیہم السلام کو معلومات وحی کے ذریعے ملتی ہیں جو تاریخ اور سیاق سے ماورا ہوتی ہیں۔
- یا پھر وہ (جان بوجھ کر یا انجانے میں — اور حسنِ ظن کا تقاضا ہے کہ ہم پہلا امکان مانیں) اپنے طریقۂ کار کو چھپا رہا ہے، تاکہ اپنی رائے کو جھوٹی معروضیت کا لبادہ پہنا سکے اور اس کے ذریعے زیادہ پیروکار حاصل کر سکے۔ سیدھی زبان میں کہیں تو یہ محض ایک **تشہیری حربہ** (marketing ploy) ہے۔

ایک مثال سے بات کی تسہیل

یہ رویہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ مصری عالم دین سید سابق رحمہ اللہ کی کتاب ***"فقہ السنہ"*** کو کس انداز میں پڑھتے اور سمجھتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ بہت سے لوگ اس کتاب کے مقصد کو غلط سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بالکل وہی ہے جو اس کا عنوان بتاتا ہے — یعنی ’’سنت کا اصل فہم‘‘— گویا اس میں انسانی واسطہ یا فہم کا کوئی عمل دخل شامل ہی نہیں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، کیونکہ اس کے مصنف بھی مختلف مسائل کو بیان کرتے ہوئے متعدد آرا اور فہم پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کتاب کو ’’اصل سنت‘‘ کی نمائندہ سمجھ لینا، اور مثال کے طور پر حنفی کتاب *مختصر القدوری* یا مالکی کتاب *مختصر الخلیل* کو ’’جانبدار‘‘ قرار دینا، اس بات کی علامت ہے کہ قاری متن اور اس کے فہم کے باہمی تعلق کو سمجھنے میں ناکام ہے۔ کیونکہ اگر انسانی فہم سب پر لاگو ہوتا ہے تو یہ سید سابقؒ پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں قصور مصنف کا نہیں بلکہ قاری کا ہے۔

انسان کو اس بات سے بچنا چاہیے کہ وہ اس دائرے میں قطعی یقین تلاش کرے جہاں یقین ممکن ہی نہیں۔ اس طرح کی ضد اتنی ہی مضر ہے جتنی ایسی خواہش کہ جہاں بات بالکل واضح ہو، وہاں بھی قیاس آرائی کی جائے۔

ثانوی اور ضمنی ماخذات

ایک اور واضح حقیقت جسے بعض لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں جب وہ یہ اصرار کرتے ہیں کہ ہر بات بنیادی ماخذات (قرآن اور سنت) میں براہِ راست اور صراحت کے ساتھ موجود ہونی چاہیے، یہ ہے کہ اس طرزِ فکر کے نتیجے میں اسلامی قانون کے کئی دیگر ماخذات — جو ثانوی اور ضمنی حیثیت رکھتے ہیں — عملاً رد ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز بنیادی متون (قرآن و سنت) میں براہِ راست بیان نہیں کی گئی۔ اسلامی فقہی ورثے کا ایک مختصر جائزہ بھی یہ بتا دیتا ہے کہ بنیادی ماخذات کے ساتھ ساتھ، انھی کی بنیاد پر **ثانوی ذرائع** جیسے **اجماع** اور **قیاس** بھی ہیں، اور ان کے علاوہ کئی **ضمنی ماخذات** بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ، فقہا نے وقت کے ساتھ ساتھ مختلف مسائل کا جائزہ لے کر کئی فقہی قواعد و ضوابط بھی مرتب کیے تاکہ فقہی احکام کو آسانی سے سمجھا اور یکجا کیا جا سکے۔ یہ طرزِ فکر اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے کہ اسلامی قانون میں **مقاصد الشریعہ** کی نہایت مظبوط نظریاتی بنیاد موجود ہے، جسے امام شاطبیؒ جیسے جلیل القدر عالم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

حسن حدیث

محض"صحیح حدیث" پر اصرار دراصل حسن حدیث کو رد کر دیتا ہے، حالانکہ وہ بھی فقہ میں دلیل بنتی ہے۔

کیا اس رویہ پر واقعی فکر مند ہونا بنتا ہے؟

جی ہاں۔ یہ سوچ صرف چند افراد تک محدود نہیں، بلکہ میڈیا کے ذریعے عام ہو رہی ہے، جس سے فرقہ واریت اور سماجی انتشار بڑھ رہا ہے۔ نتیجتاً معاشرہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا

شکار ہے اور اسلام کا تاثر غیر مسلموں کے سامنے منفی جا رہا ہے۔

اختتامیہ

اس مختصر تحریر کا مقصد مسلمانوں کے کسی مخصوص فرد یا گروہ پر حملہ کرنا نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد ایک ایسے غیر صحت مند رجحان کو نمایاں کرنا تھا جو عدم برداشت کی ثقافت کو جنم دیتا ہے۔ آخر میں یہ وضاحت اور تاکید ضروری ہے کہ **ظنی** (غیر قطعی) معاملات میں فقہی اختلافات اسلام کا ایک لازمی جزو ہیں، اور محض ''صحیح حدیث'' پر عمل کرنے کے اصرار سے یہ اختلافات کم نہیں ہوں گے۔ ماضی اور حال کے فقہا — چاہے براہِ راست یا بالواسطہ — بالآخر اپنے فہم کو قرآن و سنت ہی پر قائم کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ سوچنا کہ یہ حق صرف چند افراد کے لیے مخصوص ہے اور باقی اس سے محروم ہیں، محض خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

مصنف کا تعارف

محمد حق

محمد حق برطانیہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پر پروان چڑھے۔ انہوں نے برطانیہ میں کئی جید شیوخ (حفظهم الله) سے کئی سال تک اسلامی علوم (شریعت) کی تعلیم حاصل کی۔ انہیں فقہ اور اس سے متعلقہ علوم میں خاص دلچسپی ہے۔ اس وقت وہ تقابلی مذاہب میں بیچلرز کی ڈگری کر رہے ہیں اور کئی مقامی و عوامی فلاحی منصوبوں میں شامل ہیں۔